مسعود جاوید ہمدانی

اسلامی نصب العین اور اجنبی فکر و نظریات

پاکستان میں شریعتِ اسلام کے نفاذ کا مطالبہ گزشتہ بتیس برسوں سے کیا جا رہا ہے لیکن ہنوز روزِ اوّل والا ہی معاملہ ہے۔ تحریکِ آزادی یا تحریکِ حصولِ پاکستان کے دوران میں "پاکستان کا مطلب کیا" "لا الٰہ الا اللہ" کا نعرہ لگانے اور گزشتہ بتیس برس سے اسلام کے نام پر مسلسل قربانیاں پیش کرنے والی قوم ملک میں اسلام کے غلبے کا مقصد کیوں حاصل نہیں کر سکی۔ یہ ہے وہ سوال جس کا درست جواب حاصل کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں ہی قوم کی کامیابی مضمر ہے۔

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ قوم اپنے نصب العین کی شناخت فراموش کر چکی ہے یا کہا جا سکتا ہے کہ قوم کے رہنماؤں نے اپنے مستعار فکر و عمل سے قومی نصب العین کو مبہم بنا کر قوم کو مضمحل بنا دیا۔ کیونکہ جب تک نصب العین ہی سامنے نہ ہو فرد یا قوم کی صلاحیتیں اُجاگر نہیں ہوتیں اور نہ ہی اس میں احساسِ خودی بیدار ہوتا ہے۔ ہمارا نصب العین اسلام ہی ہو سکتا ہے لیکن اس نصب العین کے ہوتے ہوئے غیر مسلم اقوام کے فکر و نظر کے اتباع کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟ ہمیں جائزہ لینا چاہیئے کہ ہم کن کن شعبوں میں اغیار کا اتباع کر رہے ہیں اور اس سے نجات کی راہ کیا ہے؟

تاریخِ انسانی قوموں کے عروج و زوال کی لاتعداد داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ ان تاریخی واقعات کی طویل تفاصیل میں جائے بغیر بھی کوئی ذی شعور شخص اس نتیجے پر پہنچنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتا کہ کسی قوم کے عروج میں اس کے نصب العین اور اتحاد نے مؤثر اور نتیجہ خیز کردار ادا کیا۔ دراصل کوئی واحد نصب العین ہی کسی قوم میں اتحاد کی نمو و پرورش کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اتحاد کے بغیر کسی قوم میں حقیقی قوتِ مدافعت یا صلاحیتِ مبارزت پیدا نہیں ہو سکتی۔ دوسرے لفظوں میں کسی قوم کے دفاع یا اس کے پھیلاؤ کے لئے اس کے داخلی دائرے میں کسی نصب العین کو مرکزی نقطے یا محور کی حیثیت حاصل ہوتی ہے پھر نصب العین کے فطری یا غیر فطری ہونے

پر ہی کسی قوم کے اتحاد و اتفاق اور قوت کے مؤثر ہونے کا انحصار ہوتا ہے۔

نصب العین اگر مبنی فطرت ہو اور قومی زندگی میں اس کی کارفرمائی کے تقاضے کما حقہٗ پورے ہو رہے ہوں، تو قوم بہت جلد عروج تک جا پہنچتی ہے اور غیر فطری نصب العین رکھنے والی اقوام پر بالادستی حاصل کر لیتی ہے۔ انسان اپنی طبعی حیثیت میں چونکہ ارتقاء پذیر ہے اور اس کا فہم و شعور اس کے ذاتی تجربات اور مشاہدات کا رہین منت ہونے کی بدولت ہر لحظہ رو بہ تبدل ہے۔ خواہ یہ تبدیلی بہتر سے بہترین کی طرف ہی کیوں نہ ہو اس لئے اس کے فکر کو قرار حاصل نہیں۔ گویا وہ اپنے فہم و شعور اور تفکر و ادراک کے وسیلے سے مستقل یا لازوال اصول اخذ نہیں کر سکتا۔ دوسرے لفظوں میں کوئی انسان یا چند انسانوں پر مشتمل کوئی گروہ یا لاکھوں انسانوں کا کوئی انبوہ حقیقی اور فطری نصب العین وضع کرنے میں کم مایہ اور عاجز محض ہے۔ اس کا وضع کردہ نصب العین ہمیشہ ترمیم طلب اور عارضی رہے گا بلکہ انسانی معاشرہ میں تضادات کو راہ دینے اور نت نئی آویزشوں کو جنم دینے کا ذریعہ ثابت ہوگا ایسے نصب العین کی بنیاد پر حاصل کردہ وقتی کامیابی بنی نوع انسان کی محرومیوں کا مستقل مداوا نہیں کر سکتی بلکہ لازماً منفی ردِ عمل پیدا کرنے کا موجب بنے گی۔

اسلام کی شکل میں خالقِ کائنات نے بنی نوع انسان کو آخری، کامل، حقیقی اور فطری نصب العین عطا کیا اسلام اپنے پیروکاروں کے لئے جو نصب العین متعین کرتا ہے وہ کسی انسان کا ساختہ نہیں۔ قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں نے جب اس نصب العین کے تقاضوں کو کما حقہٗ پورا کرنے کی سعی کی تو کامیابیاں خود ان کے قدم چومنے لگیں اور ایک مختصر سے عرصہ میں قیصر و کسریٰ کی قوتیں ریزہ ریزہ ہو کر قصۂ پارینہ بن گئیں۔ جب تک مسلمانوں نے اپنے اس نصب العین کا دامن تھامے رکھا۔ ان کا عروج غیر متزلزل اور قائم و برقرار رہا۔ لیکن جونہی مادی فلسفوں کی جستجو و تلاش اور بعض دوسرے عوامل کی کارفرمائی نے غیر اسلامی یا غیر فطری افکار کو مسلمانوں کے ذہنوں تک رسائی حاصل کرنے کا موقع بہم پہنچایا اپنا اصل نصب العین مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور وہ ایک مختصر سی مدت میں سمٹنے پر مجبور ہو گئے سپین میں ان کا وجود معدوم ہو گیا اور جن علاقوں میں وہ اس انجام کو پہنچنے سے بچے رہے وہاں وہ اغیار کے غلام بن گئے۔

تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ اغیار کے پنجۂ استبداد میں جکڑے ہوئے مسلمانوں نے غلامی کا جُوا اتارنے میں کامیابی اس وقت ہی حاصل کی جب انہوں نے اپنے نصب العین کی طرف مراجعت کی اس کی سب سے بڑی مثال پاکستان کا قیام ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کو اس فطری نصب العین نے اس قدر قوت مہیا کی کہ وہ ہندو اور انگریز کی متحدہ قوت پر غالب آ گئے۔ پاکستان قائم ہو گیا۔ یہ ہمارے سچے اور حقیقی نصب العین کا اعجاز تھا لیکن افسوس ہم نے پاکستان حاصل کر لینے کے بعد اس نصب العین کو ترک کر کے اپنی قوت کے سرچشمے سے منہ موڑ لیا یا دوسرے لفظوں میں اپنے اضمحلال اور انحلال کا سامان پیدا کر لیا۔

ہمیں اپنے نصب العین سے دُور کرنے میں بلاشبہ ہمارے دشمنوں اور اغیار کی ریشہ دوانیوں کا بڑا دخل رہا ہے لیکن یہ بات ہماری کوتاہی کا جواز نہیں بن سکتی اور نہ ہمارے اس جرم کی شدت کو کم کر سکتی ہے۔ دراصل پاکستان کے قیام کو ہمارے دشمنوں نے ایک چیلنج خیال کیا اور وہ شروع دن سے ہی اس نظریاتی مملکت کی شکست و ریخت کے لئے مکروہ سازشیں کرنے لگے۔ ہماری اس وقت کی قیادت کو اس بات کا صحیح صحیح اندازہ ہونا چاہیئے تھا کہ ہمارے دشمن کس کس محاذ پر کس طرح وار کریں گے۔ اگر پیش بینی کرتے ہوئے ان امکانی سازشوں کے سدباب کے لئے حفاظتی اقدامات کر لئے جاتے تو یقیناً آج ملک و قوم غیر یقینی حالات سے دوچار ہونے سے محفوظ رہتے لیکن ہم نے ترقی پسندی کے زعم میں اپنے گھر میں اغیار کو نقب لگانے کے مواقع مہیا کر دیئے۔ ہمارے بعض مخلص سیاست دان بھی لبرل ازم یا جدیدیت کے جنون میں دشمنوں کے حربوں کو ملک و قوم کے مصائب کا حل اور مداوا خیال کرنے لگے۔

اس کی ایک مثال اسلامی سوشلزم کی وہ بحث ہے جس کا سیاسی سطح پر تذکرہ پہلے پہل ایوب خان کے دورِ صدارت میں قومی اسمبلی میں ہوا۔ مبصرین نے اس وقت ہی اس رائے کا اظہار کر دیا تھا کہ یہ پیوندی اصطلاح پاکستان کے مسلمانوں کے عقیدہ و یقین کو راسخ نہ رہنے دے گی اور نتیجۃً عامۃ الناس جنہیں عوام کالانعام کہا جاتا ہے حالتاً سوشلزم اور پھر کمیونزم کے گرویدہ ہو کر پہلے مرحلے پر اسلام یعنی اپنے حقیقی نصب العین سے دُور ہو جائیں گے اور دوسرے مرحلے پر وہ ملحد طاقتوں کی غلامی میں جانے پر مجبور ہوں گے۔ جب مشرقی پاکستان میں چھ نکات کے ساتھ ہی مغربی پاکستان میں اسلامی سوشلزم کی اصطلاح انتخابی نعرہ بنی (۱۹۷۰ء میں) تو دُور اندیش لوگوں نے برملا کہہ دیا تھا کہ اس کے مضمرات مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور یہ اندازہ غیر یقینی نہیں تھا۔ اگر بقول شیخ مجیب الرحمٰن ان کے چھ نکات ملک کی سالمیت اور قوم کے اتحاد کے لئے ناگزیر تھے اور ان سے مرکز مضبوط ہوتا تھا تو انہوں نے چھ نکات کی بنیاد پر مغربی پاکستان میں انتخاب کیوں نہ لڑا؟ اسی طرح اگر اسلامی سوشلزم اقتصادی طور پر زبوں حال لوگوں کی فلاح کا ضامن ہو سکتا تھا تو پھر یہ نعرہ مشرقی پاکستان میں لگایا جانا چاہیئے تھا کیونکہ وہاں کے عوام مغربی پاکستان کے لوگوں کے مقابلے میں دوسروں سے زیادہ متاثر ہو سکتے تھے اور اس بنیاد پر انتخاب لڑنے والوں کو زیادہ کامیابی حاصل ہو سکتی تھی۔

حقیقت یقیناً کچھ اور تھی۔ چھ نکات پاکستان کی جغرافیائی وحدت کو توڑنے کے لئے وضع کئے گئے تھے۔ مرکز سے دُور کسی علاقے کے لوگوں کو غلط اعداد و شمار پیش کر کے گمراہ کرنا بڑا آسان ہوتا ہے۔ چھ نکات کے ذریعے اسلام آباد اور ڈھاکہ کے مابین جغرافیائی بُعد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان کی

جغرافیائی وحدت توڑنے کی بنیاد رکھی گئی۔ چونکہ دفاع کی حقیقی صلاحیت مغربی پاکستان میں تھی اور ہمارے کامیاب دفاع کا محور ہمارے جوانوں کا جہاد کے اسلامی جذبہ سے سرشار رہنا تھا اس لئے پاکستان کی جغرافیائی وحدت توڑنے کے لئے ضروری تھا کہ پاکستان کی دفاعی صلاحیت یعنی "اسلام کے نام پر آتشِ نمرود میں کود نے والے مغربی پاکستان کے مجاہدین کے ایقان کو کمزور کیا جائے۔ چونکہ ان مجاہدین کی بنائے اتحاد بھی اسلام تھی۔ اس لئے اس بنائے اتحاد کو کمزور دمتزلزل کرنے کے لئے اسلام کے نظریے اور عقیدے کو مبہم بنانا ضروری تھا۔ چنانچہ اسلام میں سوشلزم کا پیوند لگایا گیا۔ نتیجۃً ہماری بنائے اتحاد پہلے جیسی مضبوط و مستحکم نہ رہی۔ اس بات کو غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ مغربی پاکستان کے جو لوگ پہلے اسلام کی بنیاد پر باہم ایک ہو جاتے تھے۔ اسلامی سوشلزم کے فلسفہ نے انہیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ اسلامی سوشلزم کو اسلام کے منافی نہیں سمجھتا اور اسلام کے مبلغین کو رجعت پسند قرار دے کر ان کی مخالفت کرنے لگا۔ دوسرا گروہ اس پیوندی فلسفے کو اسلام کی روح کے منافی خیال کرتا ہے۔ ان دونوں گروہوں کی طاقت دشمن کے خلاف استعمال ہونے کے بجائے ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہونے لگی۔ دشمن یہی چاہتا تھا۔ ہمارے داخلی محاذ کی اس کیفیت سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ جس طرح چھ نکات پاکستان کی جغرافیائی وحدت کو توڑنے کا سبب بنے۔ اسی طرح اسلامی سوشلزم کا نعرہ ہماری نظریاتی وحدت کو مختل کرنے کا ذریعہ ثابت ہوا اور یہ کوئی معمولی نقصان نہیں۔ ایوان اقتدار میں اور میدان سیاست میں جو لوگ اسلامی سوشلزم کے راگ الاپتے رہے ہیں ان کے خلوص اور نیک نیتی کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ اس اصطلاح اور نعرے کے قوم کی نظریاتی یگانگت اور وحدت پر منفی اثرات کا احساس کس حد تک کرتے ہیں اور اس سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہیں یا نہیں کیونکہ ملک و قوم کی سلامتی و بقا کے ضمن میں نظریاتی وحدت سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور کسی قوم کی قوت کا راز نظریاتی وحدت ہی بنا کرتی ہے۔

قومی نصب العین کے حوالے سے مغربی سیاسی نظام یعنی جمہوریت کا جائزہ بھی لیا جانا چاہیئے تھا کیونکہ اگر اسلام ایک مکمل دین ہے تو پھر اسے معاشرت، معیشت اور سیاست ہی نہیں۔ زندگی کے ہر بڑے شعبے میں واضح اور راہنما خطوط پیش کرنے چاہئیں۔ اسلام ایک مکمل دین ہے اور وہ ان تمام شعبوں میں رہنمائی پیش کرتا ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے سیاسی رہنماؤں یہاں تک کہ دین کے علماء نے بھی مغربی سیاسی نظام کی تبلیغ کر کے بالواسطہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کا کوئی سیاسی نظام نہیں۔ یہ اسلام کی متابعت اور مسلمانوں کی خدمت نہیں کہ اسلام میں اشتراکی یا مغربی نظریات کے پیوند لگائے جائیں۔ ہم ان ہر دو نظریات یعنی سوشلزم اور جمہوریت سے کنارہ کش ہو کر ہی حقیقی اسلام کے غلبہ کی راہ ہموار

کر سکتے ہیں۔

جدید جمہوریت کے ضمن میں یہ بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہیئے کہ یہ مغربی ممالک کے مخصوص عقائد، معاشرتی اعمال اور زندگی کے بارے میں مخصوص نقطۂ نظر کی پیداوار ہے۔ مغربی دنیا کی مجبوری یہ تھی کہ ان کا مذہب انہیں معاشرت، معیشت اور سیاست کے شعبوں میں واضح رہنمائی مہیا نہیں کرتا لیکن ہماری ایسی کوئی مجبوری تو نہیں۔ اسلام اکمل ضابطۂ حیات ہے وہ زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی پیش کرتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود معاشرت، معیشت، سیاست اور دیگر شعبہ ہائے حیات میں فکر و عمل کی نظیریں قائم کیں۔ اسی طرح ان کے خلفائے راشدین کا عمل بھی ہمارے سامنے ہے۔ آخر اتنی واضح رشد و ہدایت اور روشن نظیروں کے باوجود ہمارے علماء اور سیاست دان مغرب کی عیسائی دنیا کی مجبوری کو مسلمانوں کی مجبوری کیوں بنا چکے ہیں؟

سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ جو نظام حکومت اسرائیل کے یہودیوں، یورپ کے عیسائیوں اور بھارت کے ہندوؤں کے لئے پسندیدہ ہو سکتا ہے۔ وہ مسلمانوں کے عقائد سے کس طرح مطابقت رکھ سکتا ہے۔ جس طرح مغربی جمہوریت بادشاہت کے ردِّ عمل میں وضع ہوئی۔ اسی طرح جمہوریت کی کوکھ سے سوشلزم اور کمیونزم پیدا ہوئے۔ پاکستان میں سوشلزم کا نعرہ جمہوریت ہی کا تحفہ ہے۔ اگر جمہوریت کے تحت ہر شخص کو خلاف اسلام باتیں کہنے اور نظریات پیش کرنے کی آزادی نہ ہوتی تو ہمارے مہم جو اور طالع آزما سیاست دان اجنبی ازموں کے نعرے لگا کر قوم کے عقائد کو یوں تباہ نہیں کر سکتے تھے۔ الغرض پاکستان میں سوشلزم اور کمیونزم کے نعرے مغربی جمہوری ماحول پیدا کر کے ہی لگائے جا سکتے تھے اور یہی ہوا۔ وطن عزیز میں نظام خلافت قائم ہوتا یا سیاست کا اسلامی ڈھانچہ موجود ہوتا تو کسی کو خلافِ اسلام نظریات پیش کرنے اور نعرے لگانے کی جرأت نہ ہوتی۔

قوم کا المیہ یہ ہے کہ علمائے کرام بھی دن رات جمہوریت کے شغل اور انتخابات کے ورد میں مصروف ہیں زیادہ سے زیادہ کبھی کبھار اسلام کے نفاذ کا نعرہ لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کا نفاذ قرآن مجید کی تنزیل کے ساتھ چودہ سو برس قبل ہو چکا ہے۔ ہمارا فرض اس کی تعمیل کرنا اور اس تعمیل کی راہ میں رکاوٹ بننے والے نظام اور فکر کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا ہے۔ علماء اور دین کا نام لینے والے سیاستدان مطمئن ہیں کہ وہ کبھی کبھار نفاذ اسلام کا نعرہ مستانہ بلند کر دیتے ہیں۔ اغیار خوش ہیں کہ ان کے نافذ کردہ باطل نظریات کا نہ ابطال کیا جا رہا ہے نہ اُن پر ضرب لگائی جا رہی ہے ہمارے ارباب حکومت علماء اور اسلام کا نام لینے والے سیاستدانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ کسی اجنبی نظریے اور نظام کی حمایت کر کے اسلام کے غلبے کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے۔ جب کسی مخصوص نظام کو قبول کر لیا جاتا ہے تو اس کا رنگ لاکھ نہ چاہنے کے باوجود افراد اور قوم پر چڑھنے لگتا ہے اگر ہم اسلامی نظریات کا فروغ چاہتے ہیں تو آج نہیں تو کل ہمیں نظام حکومت خلافت کے اسلامی تصور پر استوار کرنا ہو گا اور خلافت اکثریت کے ووٹ کی بنیاد پر یا عوام کی نمائندگی کے نام پر قائم نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی اطاعت اور رسولؐ کی نیابت کے اصل [illegible]